**درس ۱۵**

# تواصی بالحق کا ذروۂ سنام
# جہاد و قتال فی سبیل اللہ

**—— (۲) ——**

لفظ جہاد کے لغوی مفہوم کے معین ہو جانے اور اس بات کو اصولی طور پر سمجھ لینے کے بعد کہ کسی بھی صاحبِ کردار اور صاحبِ سیرت انسان کے لئے کسی نظریئے کو قبول کرنے کے بعد اس نظریئے کے لئے اپنی جان و مال کا کھپانا ناگزیر ہو جاتا ہے' اب آیئے ہم یہ دیکھیں کہ جہاد فی سبیل اللہ کا نقطۂ آغاز کیا ہے' اس کی اولین منزل کیا ہے اور اس کی آخری منزلِ مقصود کونسی ہے۔ یہ تین باتیں جہاد فی سبیل اللہ کے ضمن میں بہت اہم ہیں۔

## جہاد فی سبیل اللہ کا نقطۂ آغاز : مجاہدہ مع النفس

ایک بندۂ مومن کیلئے جہاد فی سبیل اللہ کا نقطۂ آغاز خود اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ ہے۔ اسلئے کہ ایمان کا حاصل تو یہی ہے کہ انسان نے اللہ کو مانا' اللہ کے رسول ﷺ کو مانا' اللہ کی کتاب کو مانا' آخرت کو مانا' بعث بعد الموت' حساب کتاب اور جزاء و سزا کو مانا۔ اگر یہ ماننا صرف اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ کے درجے میں نہیں ہے' محض ایک Dogma یا ایک متوارث عقیدہ (Racial Creed) نہیں ہے' بلکہ فی الواقع ان حقائق پر انسان کا ذہن مطمئن ہو چکا ہے' دل میں یقین جاگزیں ہو گیا ہے اور اس سے اس کا باطن منور ہو گیا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ اس کے اپنے اندر ایک کشاکش پیدا ہو گی' ایک تصادم اس کی شخصیت کے داخلی میدانِ کارِ زار میں برپا ہو جائے گا۔ ایک طرف نفس کے تقاضے اور انسان کا وہ نفسِ امّارہ (Baser Self) ہے جسے قرآن کہتا ہے : ﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ﴾ اور جسے بعض محققین مثلاً فرائڈ نے "ID" یا "LIBIDO" سے تعبیر کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

انسان کے یہ حیوانی داعیات اور جبلّی تقاضے (Animal instincts) بڑے منہ زور ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ فرائڈ کا مشاہدہ اگر اسے اس طرف لے گیا کہ جنس کا جذبہ انسان میں ایک بڑا قوی محرک ہے تو یہ بات کلیتاً غلط نہیں ہے۔ فی الواقع یہ سارا تمدن کا ہنگامہ اور یہاں کی چہل پہل اسی کی بنیاد پر قائم ہے۔ اسی طرح اگر کسی اور مفکر نے اس حقیقت کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا کہ پیٹ انسان کے اندر ایک بہت بڑا عامل اور محرک ہے اور انسان کی معاشی ضروریات اس کے لئے بہت بڑے محرک کی حیثیت رکھتی ہیں تو واقعتاً اس میں ہرگز کوئی شک نہیں' یہ بڑے منہ زور داعیات ہیں۔ انسان کے اندر سے ابھرنے والے یہ داعیات اپنے طور پر کسی صحیح اور غلط' حلال اور حرام یا جائز و ناجائز کی تمیز کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ جذبات اندھے اور بہرے ہیں۔ انہیں صرف اپنے تقاضے کی تسکین سے غرض ہے۔ اگر بھوک لگی ہے تو پیٹ صرف یہ چاہتا ہے کہ اس کے جہنم کو بھر دیا جائے۔ اگر شہوت کا جذبہ ابھرا ہے تو اسے صرف اپنی تسکین سے غرض ہے۔ اسے اس سے کوئی غرض نہیں کہ حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے' جائز کیا ہے اور ناجائز کیا ہے۔ لیکن اگر اللہ کو مانا ہے' اللہ کے رسول ﷺ کو مانا ہے تو ان کی طرف سے عائد کردہ حلال اور حرام کی قیود کی پابندی کرنی ہوگی۔ جیسے کہ سورۃ التغابن میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ ایمان کا لازمی نتیجہ اطاعت ہے : ﴿ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ "اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی"۔ یعنی اب تمہارے وجود اور تمہارے اعضاء و جوارح سے ایسی کوئی حرکت صادر نہیں ہونی چاہئے جو اللہ اور اس کے رسول ؐ کے احکام کو توڑنے والی ہو۔ تمہارے تمام اعضاء و جوارح سے جو اعمال صادر ہوں وہ اللہ اور اس کے رسول ؐ کی اطاعت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہوں۔ یا جیسے کہ ہم ابھی دیکھ چکے ہیں' سورۃ الحجرات میں وارد ہے : ﴿ لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ﴾ یعنی "اللہ اور اس کے رسول ؐ سے آگے مت بڑھو"۔ مؤمن کی آزادی کے بارے میں حضور ﷺ نے تشبیہاً بیان فرمایا کہ مؤمن کی مثال اس گھوڑے کی سی ہے جو کہ ایک کھونٹے سے بندھا ہوا ہے۔ جس قدر رسّی دراز ہے اسی قدر وہ کھونٹے کے گرد گھوم پھر سکتا ہے' اس سے زائد نہیں۔ یہ حدود اللہ ہیں۔ ان کے بارے میں قرآن کہتا ہے : ﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَقْرَبُوْھَا ﴾ "یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں' ان کے قریب مت

© rasailojaraid.co
© rasailojaraid.co

جاؤ"۔ اور کہیں فرمایا گیا : ﴿ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ "جو کوئی اللہ کی حدود سے تجاوز کرے گا وہی ظالم ہے۔"

تو معلوم ہوا کہ یہ ایک کشمکش اور کشاکش ہے جو ایمان کے نتیجے میں انسان کی شخصیت کے داخلی میدانِ کارزار میں شروع ہو جاتی ہے۔ اس کشاکش کا آغاز اُسی لمحے ہو جاتا ہے جیسے ہی ایمان دل میں داخل ہوتا ہے۔ البتہ جب تک یہ ایمان نوکِ زبان پر رہتا ہے کوئی کشاکش نہیں ہوتی! خیال کیا جاتا ہے کہ صرف قول ہی تو ہے' کوئی پرواہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ' جیسے کہ آئندہ سورۃ الصف کے درس میں یہ مضمون آنے والا ہے لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ "کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں" قول اور فعل کا تضاد تو دنیا کی ایک عام مشاہدے کی چیز ہے کہ زبانی اقرار کسی اور بات کا ہے اور عمل کسی اور چیز پر ہو رہا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جب کوئی خیال یا کوئی نظریہ انسان کے باطن میں اتنا گہرا اتر جائے کہ وہ یقین بن کر دل میں بیٹھ جائے تو اب اس کا نتیجہ تصادم اور کشاکش کی صورت میں برآمد ہو کر رہے گا۔ اب ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ خواہ تمہاری بھوک ہو یا شہوت ہو' یا کوئی اور فطری جذبہ اور تقاضا تمہارے باطن میں سے ابھر رہا ہو' اس کی تسکین اب حلال اور حرام کی قیود اور حدود کے اندر اندر کرنی ہو گی' مادر پدر آزاد ہو کر اب کوئی کام نہیں ہو گا۔ یہیں سے اس کشاکش کا آغاز ہو جاتا ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا : "اَیُّ الْجِهَادِ اَفْضَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" (اے اللہ کے رسول! سب سے اعلیٰ اور افضل جہاد کون سا ہے؟) جواباً آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا : ((اَنْ تُجَاهِدَ نَفْسَكَ فِي طَاعَةِ اللّٰهِ)) "کہ تو اپنے نفس کے ساتھ کشمکش کرے اور اسے اللہ کی اطاعت کا عادی اور خوگر بنائے"۔ یہ نقطۂ آغاز ہے جہاد کا۔ جیسے کہ ایک اور مقام پر آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ : ((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبِعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ)) "تم میں سے کوئی شخص حقیقی معنی میں مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی ہوائے نفس' اس کی خواہشِ نفس تابع نہ ہو جائے اس کے کہ جو میں لے کر آیا ہوں"۔ یہ بات حقیقتِ شرک کے ضمن میں عرض کی جا چکی ہے کہ شرک کی ایک ابتدائی اور بڑی بنیادی کیفیت یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو اپنا معبود بنا لے۔ سورۃ الفرقان کی آیت ۴۳ میں فرمایا گیا : ﴿ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ﴾ "کیا تم نے دیکھا اُس شخص کو جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنا لیا"۔ مولانا رومؒ نے

© rasailojaraid.co
© rasailojaraid.co

بھی فرمایا تھا کہ ؂

نفسِ ما ہم کمتر از فرعون نیست
لیک او را عون ایں را عون نیست

یعنی میرا یہ نفس بھی فرعون سے کم نہیں ہے' یہ خدا کے حکم سے سرتابی کرتا ہے' اُس کے حکم کے مقابلے میں اپنی چاہت اور اپنی پسند کا تقاضا کرتا ہے کہ اُسے مقدم رکھا جائے' اسے بالاتری اور بالادستی حاصل ہونی چاہئے۔ یہ کشاکش درحقیقت جہاد فی سبیل اللہ کا نقطۂ آغاز ہے۔

اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ جو لوگ مجاہدہ فی سبیل اللہ کے اس باطنی میدانِ کارزار میں کوئی فتح اور بالادستی حاصل کئے بغیر باہر کے دشمنوں سے لڑائی لڑنا شروع کر دیتے ہیں وہ دراصل خود فریبی کا شکار ہیں ـــــ باہر کے دشمنوں سے نبرد آزمائی اور مجاہدہ ومقاتلہ سے پہلے اپنے نفس سے کشاکش اور اسے احکامِ الٰہی کا پابند بنانے کی جِدّوجُہد لازم اور ناگزیر ہے۔ اس لئے کہ جہاد و مجاہدہ کا صحیح اور فطری طریقہ یہی ہے کہ مجاہدے کا آغاز خود اپنی ذات سے ہو۔ جس طرح ایک پودا زمین میں سے نکلے' پھوٹے اور پھر پروان چڑھے تو وہ ایک مضبوط و تناور درخت بن سکتا ہے ﴿ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴾ اسی طرح مجاہدہ مع النفس وہ جڑ ہے جو انسانی شخصیت کے باطن میں اگر گہری نہ اتر گئی ہو اور صرف اوپر ہی اوپر زمین میں اٹکی ہوئی ہو تو پھر یہ کسی بھی سیلاب اور کسی بھی نوع کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

## جہاد فی سبیل اللہ کا دوسرا مرحلہ :

یہ مجاہدہ مع النفس جب انسان کے باطن سے پھوٹتا ہے تو یہ اللہ کے دشمنوں سے اور اللہ کے دین کے دشمنوں سے مجاہدہ' کشاکش اور جدوجہد کی صورت اختیار کرتا ہے۔ اس کی اولین منزل دعوت اور تبلیغ و تلقین ہے۔ یہ درحقیقت اس مجاہدہ فی سبیل اللہ کا خارج میں پہلا ہدف ہے کہ جو بات آپ نے حق مانی ہے اس کی حقانیت کا اعلان کیجئے' اس کی حقانیت کو دنیا کے سامنے پیش کیجئے۔ یہ آپ کی شرافتِ نفس کا تقاضا بھی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی بڑی پیاری حدیث ہے کہ : ((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ)) "تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے

© rasailojaraid.com

بھائی کے لئے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے"۔ اگر آپ نے ایک حق کو حق جان کر اور اسے اپنے لئے ایک دولت اور نعمتِ غیر مترقبہ سمجھ کر قبول کیا ہے، تو اب آپ کی شرافت و مروت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے بھائیوں تک بھی اس دولت کو پہنچایئے۔ اگر فی الواقع آپ ان کے خیر خواہ ہیں تو ان کو اس دولت سے محروم دیکھنے پر آپ کا دل کڑھنا چاہئے۔ اسی طرح غیرت و حمیت کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اس حق کو دنیا میں پھیلایا جائے اور عام کیا جائے۔

## پہلا ہدف: دعوت و تبلیغ

دعوت و تبلیغ کو آپ یوں کہہ لیجئے کہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہی کا ابتدائی مرحلہ ہے۔ اس میں تلقین اور نصیحت بھی شامل ہے اور حق کی نشر و اشاعت اور اس کا ابلاغ بھی۔ اس ابلاغ کے لئے ظاہر بات ہے کہ ہر دَور میں جو بھی ذرائع میسر ہوں گے وہ بھرپور طریقے پر استعمال کئے جائیں گے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے زمانے میں جو ذرائع بھی ممکن تھے، ان سب کو استعمال کیا ہے۔ آپؐ کوہِ صفا پر کھڑے ہوتے ہیں اور نعرہ لگاتے ہیں "وَا صَبَاحَا!" "ہائے وہ صبح جو آنے والی ہے"۔ یہ اُس زمانے کا رواج تھا کہ اگر کسی کو یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ کوئی دشمن حملہ کرنے والا ہے تو وہ اپنے قبیلے کے لوگوں کو خبردار کرنے کے لئے اپنے کپڑے اتار کر اور بالکل عریاں ہو کر کسی بلند مقام پر کھڑا ہو جاتا تھا تاکہ سب لوگ اسے دیکھ سکیں، اور پھر نعرہ لگاتا تھا وَا صَبَاحَا! یعنی ہائے وہ صبح جو آنے والی ہے۔ لوگ سمجھ جاتے تھے کہ کوئی بڑی اہم بات ہے۔ چنانچہ سب اس کی طرف لپکتے اور پھر وہ اپنی خبر یا اطلاع لوگوں تک پہنچاتا تھا۔ حضور ﷺ کے بارے میں اس کا ہرگز کوئی سوال یا امکان نہیں تھا کہ آپ ﷺ عریاں ہو جاتے، لیکن باقی آپؐ نے وہ پورا طرزِ عمل اختیار کیا۔ کوہِ صفا پر بلند مقام پر کھڑے ہو کر نعرہ لگایا، لوگ جمع ہوئے، آپ ﷺ نے دعوت پیش کی۔ یہ دوسری بات ہے کہ پورے مجمع میں سے کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی اور آپ ﷺ کے سب سے قریبی رشتہ دار ابولہب نے یہ زہر آلود الفاظ کہے "تَبًّا لَكَ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا" (آپ کے ہاتھ ٹوٹ جائیں، کیا آپ نے اس کام کے لئے ہمیں جمع کیا تھا؟) نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔ بہرحال اِس وقت یہ بتانا مقصود تھا کہ اس ابلاغ، تبلیغ اور نشر و اشاعت کے لئے جو بھی وسائل ممکن ہوں اختیار کئے جانے چاہئیں۔ سیرت میں ہمیں نظر

© rasailojaraid.com

آتا ہے کہ انفرادی ملاقاتیں بھی تھیں، آپؐ گلیوں میں بھی تبلیغ فرماتے تھے، جہاں کہیں معلوم ہوا کہ کوئی قافلہ ٹھہرا ہوا ہے وہاں پہنچ کر اپنی دعوت پیش فرماتے تھے۔ حج کے ایام میں آپؐ کی یہ دعوتی سرگرمی پورے عروج کو پہنچ جاتی تھی۔ ملک کے کونے کونے سے لوگ آئے ہوتے تھے، آپؐ مختلف وادیوں میں گھومتے اور جہاں کہیں کسی قبیلے کا پڑاؤ دیکھتے وہاں جا کر اپنی دعوت پیش کرتے۔ گویا وہ نقشہ ہوتا جو حضرت نوح علیہ السلام کی اس دعا میں نظر آتا ہے:

﴿ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا○ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا○ وَاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا○ ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا○ ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا○ ﴾

© rasailojaraid.com

یعنی اے میرے رب! اے میرے پروردگار! میں نے اپنی اس قوم کو فرداً فرداً بھی پکارا، عام مجمعوں میں بھی انہیں دعوت دی، میں تنہائی میں بھی ان سے ملا، میں نے علی الاعلان بھی یہ بات کہی ہے، میں نے رات کی تاریکیوں میں بھی پیغام پہنچایا ہے اور دن کی روشنی میں بھی اس پیغام کی نشر و اشاعت کی ہے۔

یہ ہے درحقیقت جہاد فی سبیل اللہ کا اولین مرحلہ۔ اسے تبلیغ کہئے، دعوت کہئے یا نشر و اشاعت کہئے۔ اس میں محنت و مشقت ہو گی، اوقات صرف ہوں گے، صلاحیتیں کھپیں گی۔ ضرورت اس بات کی ہو گی کہ باصلاحیت لوگ آئیں اور اپنی صلاحیتوں کو اس راہ میں صرف کریں، ذہین اور فطین نوجوان آئیں اور وہ اس کام میں اپنے آپ کو جھونک دیں۔ نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پھر اپنے کاروبار میں منہمک نہیں ہوئے، بلکہ آپ اسی کشاکش، اسی کوشش اور اسی جدوجہد میں ہمہ تن مصروف ہو گئے، اور چند سال کی محنت کا نتیجہ یہ نکلا کہ عشرہ مبشرہ (رضی اللہ عنہم) میں سے چھ اصحاب کو لا کر انہوں نے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی جھولی میں ڈال دیا۔ یہ ہے اس مجاہدہ فی سبیل اللہ کی پہلی منزل!

یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ جنگ اور قتال کا مرحلہ تو نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں کہیں پندرہ برس کے بعد آیا۔ مکہ مکرمہ کے تیرہ برسوں میں اور پھر قیامِ مدینہ کے

© rasailojaraid.com

ابتدائی دو برسوں میں مجاہدہ جاری رہا۔ یہ جدّوجُہد اور کشاکش نظریاتی سطح پر تھی۔ یہ عقائد کا تصادم تھا جو جاری تھا اور اس میں لوگ تکالیف اور مصیبتیں بھی جھیل رہے تھے۔ جن لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا اور نیا عقیدہ اختیار کیا ان کی اپنے گھروں اور اپنی برادریوں میں کشمکش شروع ہو گئی۔ اپنے ماحول کے ساتھ ان کا تصادم پوری شدت کے ساتھ شروع ہو گیا۔ وہ ستائے گئے' ان کو ایذائیں دی گئیں' جس کا نقشہ ہم سورۂ آل عمران کے آخری رکوع کی اس آیت میں دیکھ چکے ہیں کہ ﴿ فَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا ﴾ یہ قتال کا مرحلہ یعنی غزوۂ بدر کا واقعہ تو کہیں ۲ھ کا ہے' لیکن پہلے پندرہ برس یہ کشاکش اور تصادم جاری تھا۔ پھر جن لوگوں نے اس دعوت کو قبول کیا ان کی تربیت کرنا اور ان کو ایک منظم جماعت کی شکل دینا بھی تو مجاہدے ہی کی ایک شکل تھی۔

© rasailojaraid.co

## دعوت و تبلیغ کی غرض و غایت : اتمامِ حُجّت

مجاہدہ فی سبیل اللہ کا اوّلین ہدف یہ ہے کہ خلقِ خدا پر خدا کی طرف سے دعوت و تبلیغ کے ذریعے حجت قائم کر دی جائے' تاکہ روزِ قیامت انسان یہ عذر نہ پیش کر سکے کہ اے رب! ہمیں معلوم نہ تھا کہ تیرا دین کیا ہے۔ یہ چیز ہمارے آئندہ درس (سورۃ الحج کی آخری آیات) میں وضاحت کے ساتھ آئے گی کہ انبیاء کی بعثت کی ایک بہت بڑی غرض ''شہادت علی الناس'' قرار دی گئی ہے۔ یہ گواہی اور شہادت قولاً بھی دی جاتی ہے اور عملاً بھی' تاکہ خلق خدا پر حجت قائم ہو جائے اور اس کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس کام میں محنتیں بھی لگیں گی اور صلاحیتوں کا صرف بھی ہو گا' تب ہی تو کوئی داعئ حق خلقِ خدا پر حجت قائم کر سکے گا کہ جو حق میرے پاس تھا میں نے تمہارے سامنے رکھ دیا ہے' تم یہ نہ کہہ سکو گے کہ میں نے اس کے بیان میں کتمان سے یا اخفا سے کام لیا ہے۔ آپ اسے قطعِ عذر کہہ لیں یا اتمامِ حجت' بہرکیف یہ جان لیجئے کہ مجاہدہ فی سبیل اللہ کی اوّلین منزل یہی ہے۔

## مجاہدہ فی سبیل اللہ کا آخری ہدف :

اس مجاہدہ فی سبیل اللہ کا آخری ہدف اور اس کی غایتِ قصویٰ کیا ہے؟ یہ بات اچھی

© rasailojaraid.co

طرح سمجھ لیجئے کہ اس کائنات کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ اللہ کی زمین پر اُسی کا حکم نافذ ہونا چاہئے۔ اَلْاَرْضُ لِلّٰہِ وَالْحُکْمُ لِلّٰہِ۔ زمین بھی اللہ کی ہے اور حکم بھی اللہ کا ہے۔ بالفاظِ قرآنی : ﴿اِنِ الْحُکْمُ اِلاَّ لِلّٰہِ﴾ حکم اور فیصلے کا اختیار سوائے اللہ کے کسی کو حاصل نہیں۔ گویا تمام حقائق میں سب سے فائق حق یہی ہے کہ اللہ کی زمین پر اُسی کے اختیار کو عملاً نافذ و غالب ہونا چاہئے‘ جبکہ بالفعل معاملہ اس کے برعکس ہے۔ چنانچہ اس حق کو بالفعل دنیا میں نافذ کرنے کے لئے اب ایک مزید محنت درکار ہوگی‘ مزید جدّوجُہد کی ضرورت ہوگی۔ دعوت و تبلیغ کے لئے محنتیں اور کوششیں اپنی جگہ اہم ہیں‘ لیکن یہ بات ذہن میں رکھئے کہ اگر کسی بے ضرر قسم کی بات کی تبلیغ کی جارہی ہو‘ جس میں کسی پر کوئی تنقید نہ ہو اور جس میں کسی کے مفادات پر کوئی آنچ نہ آتی ہو تو کوئی تصادم نہیں ہوگا‘ اور کوئی ٹکراؤ نہیں ہوگا‘ بلکہ بالعموم ایسے واعظین کو ہار پہنائے جاتے ہیں اور ان کی خدمت کی جاتی ہے۔ لیکن اگر تبلیغ ہو صحیح معنی میں کہ جس میں حقیقت ہی کو سامنے لایا جائے اور حق بات کے کہنے سے دریغ نہ کیا جائے‘ خواہ اس سے لوگوں کے مفادات پر آنچ آرہی ہو‘ یا ان کے غلط نظریات اس سے مجروح ہو رہے ہوں‘ تو ظاہر بات ہے کہ تصادم اور کشمکش کا مرحلہ آکر رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تصادم اور کشمکش مکّی دَور میں بھی ہمیں نظر آتا ہے۔ لیکن اس سے آگے مرحلہ آتا ہے جب داعیٔ حق یہ کہتا ہے کہ ہم صرف مبلغ نہیں ہیں‘ ہم صرف داعی نہیں ہیں‘ بلکہ ہم تو حق کو قائم اور غالب کرنے کے لئے اٹھے ہیں‘ ہم عدل و انصاف کا صرف وعظ کہنے کے لئے نہیں آئے‘ بلکہ ہم عدل و انصاف کو بالفعل نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات ہے جو سورۃ الشوریٰ میں نبی کریم ﷺ سے کہلوائی گئی کہ اے نبی! ان سے کہہ دیجئے ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ﴾ کہ مجھے تو یہ حکم ہوا ہے کہ میں تمہارے مابین عدل قائم کروں۔ ظاہر بات ہے کہ جب دعوت یہ ہوگی کہ اللہ کا عطا کردہ نظامِ عدل قائم کیا جائے‘ اسے نافذ اور رائج کیا جائے تو یہ صرف تبلیغ و تلقین اور وعظ و نصیحت کا مرحلہ نہیں ہے‘ بلکہ اقامتِ دین کا مرحلہ ہے۔ یہ صرف کسی نظام کی برکات کو علمی سطح پر پیش کردینے کا مرحلہ نہیں بلکہ اس نظام کو فی الواقع قائم اور نافذ کردینے کا مرحلہ ہے۔ تو سیدھی سی بات ہے کہ یہاں تصادم اب مزید شدت اختیار کرے گا۔ جن کے مفادات پر آنچ آئے گی وہ اسے کبھی ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کریں گے۔ وہ اپنی

© rasailojaraid.com

پوری قوتوں کو اور اپنے تمام وسائل و ذرائع کو مجتمع کر کے مزاحمت کریں گے اور اس دعوت کی راہ روکنے اور اسے کچلنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں گے۔ اس مرحلے پر یہ کشاکش اور تصادم انتہائی شدید اور ہولناک صورت اختیار کرے گا۔

## جہاد فی سبیل اللہ کی آخری منزل : قتال فی سبیل اللہ

تو اقامتِ دین اور غلبۂ دینِ حق کی اس جدّ و جہد میں، جس کے لئے قرآن مجید کی ایک اصطلاح "اِظْهَارُ دِیْنِ الْحَقِّ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ" کی بھی ہے، واقعہ یہ ہے کہ کوئی خواہ کتنا ہی ناپسند کرے تصادم کی یہ آخری منزل آ کر رہے گی، آگ اور خون کی ندیوں کو بہرحال عبور کرنا ہو گا، اپنے خون کا نذرانہ بہرکیف پیش کرنا ہو گا۔ اس لئے کہ یہ نظام کو بدلنے کا معاملہ ہے، وعظ اور نصیحت سے آگے بڑھ کر عدل اور انصاف کو بالفعل رائج کرنے کا معاملہ ہے ــــ یہاں وہ تصادم انتہائی شدت پکڑ لیتا ہے، اور جہاد بالفعل "قتال" کی شکل اختیار کرتا ہے۔

یہ ہے گویا اُس مجاہدہ فی سبیل اللہ کا نقطۂ عروج، جس کا نقطۂ آغاز ہے "مجاہدہ مع النفس"۔ نفسِ انسانی سے یہ مجاہدہ جب خارج کی طرف آتا ہے تو یہ تبلیغ دین، دعوتِ دین، احقاقِ حق، ابطالِ باطل اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی صورتوں میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ دنیا میں حق کی نشر و اشاعت اور بدی کے سدباب کے لئے وعظ و نصیحت، تلقین و تبلیغ اور افہام و تفہیم کی تمام قوتوں کو بروئے کار لانا اور ابلاغ کے ممکنہ ذرائع کو استعمال کرنا اس جدوجہد کا اولین مرحلہ ہے، اور اس سے اصل مقصود یہ ہے کہ خلقِ خدا پر خدا کی جانب سے حجت قائم کر دی جائے ــــ اور اس کی بلند ترین منزل ہے "اِظْهَارُ دِیْنِ الْحَقِّ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ" کہ پورے کے پورے دین اور پورے نظامِ زندگی پر اللہ کے دین کو غالب کر دیا جائے۔

قرآن مجید اس حقیقت کو کہیں یوں بیان کرتا ہے : ﴿ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ﴾ کہ اے مسلمانو! جنگ جاری رکھو، تمہاری یہ جنگ جاری رہنی چاہئے، یہاں تک کہ فتنہ بالکل فرو ہو جائے اور دین کل کا کل اللہ ہی کے لئے ہو جائے۔ اس زمین پر اللہ کا حق ہے کہ اسی کی حکومت قائم ہو۔ لیکن اگر یہاں کسی اور نے اپنی حکمرانی کا تخت بچھا رکھا ہے اور کسی فرعون یا نمرود کی مرضی یہاں رائج ہے تو یہی

© rasailojaraid.com

در حقیقت قرآن حکیم کی اصطلاح میں فتنہ ہے۔ یہ فساد فی الارض کی بد ترین شکل ہے۔ اس فتنے کو ختم کرنا اور اس بغاوت کو فرو کرنا ایک بندۂ مؤمن کا مقصدِ حیات بن جانا چاہیئے۔ اگر وہ واقعتاً اللہ کو ماننے والا ہے اور اگر اس نے واقعتاً دین کو قلب اور ذہن کی متفقہ شہادت کے ساتھ قبول کیا ہے تو اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلے گا کہ پھر وہ ایسے ہر نظام کو جس میں خدا کی مرضی اور خدا کے حکم کو فائنل اتھارٹی کی حیثیت سے قبول نہ کیا جائے' فتنہ اور بغاوت سمجھے گا' چاہے وہاں بظاہر بڑا امن و امان ہو اور وہاں ہر طرح سے زندگی کا کاروبار سکون سے جاری ہو۔ قرآن کی رو سے غیر اللہ کی حکومت اور غیر اللہ کا نظام مجسم فتنہ' مجسم فساد اور مجسم بغاوت ہے' لہٰذا اس کے خلاف سینہ سپر ہو جانا اور اپنے جان و مال کو دین کی حمایت میں کھپا دینا ایمان کا لازمی نتیجہ ہے۔ یہ ایمانِ حقیقی کا رکنِ لازم ہے۔

© rasailojaraid.com

ہمارے اس دورِ انحطاط میں' جیسا کہ آغاز میں عرض کیا گیا' جہاد فی سبیل اللہ پر دو ظلم روا رکھے گئے۔ ایک یہ کہ اس کو جنگ کے مترادف قرار دے دیا گیا۔ چنانچہ اس کی وسعت' اس کی ہمہ گیری' اس کا نقطۂ آغاز' اس کے وہ سارے مراحل جن میں دعوت و تبلیغ بھی ہے' نشر و اشاعت بھی ہے' پھر جو لوگ اس حق کو قبول کر لیں ان کو ایک نظم میں پرو کر ایک منظم قوت کی شکل دینا اور انہیں آئندہ کے مراحل کے لئے مناسب تربیت دینا بھی شامل ہے' یہ سب ذہن سے بالکل خارج ہو گئے۔ دوسرا ظلم یہ ہوا کہ مسلمانوں کی ہر جنگ کو بہر حال اور بہر نوع جہاد قرار دے دیا گیا۔ اس طرح "جہاد" کے لفظ کو ہم نے انتہائی بدنام کر دیا اور اس کے مقدس تصور کو بہت بری طرح مجروح کیا گیا۔ اور تیسرا ظلم اس پر یہ ڈھایا گیا کہ جہاد کو فرائض دینی کی فہرست سے خارج کر دیا گیا کہ یہ فرضِ عین نہیں ہے' بلکہ فرضِ کفایہ ہے۔ یہ در حقیقت مسلمانوں کے اندر سے جذبہ جہاد کو ختم کرنے کی سازش کا حصہ ہے۔ کہیں یہ سازش بڑے ہی گھناؤنے انداز میں ہوئی' جیسے کہ غلام احمد قادیانی (علیہ ما علیہ) نے جہاد اور قتال کو اس دور میں بالکل منسوخ قرار دے دیا کہ ع دیں کے لئے حرام ہے اب دوستو قتال! یہ تو خیر انتہائی گمراہی کا معاملہ تھا' لیکن واقعہ یہ ہے کہ خود ہمارے تصوراتِ دینی میں اب یہ جہاد فی سبیل اللہ کسی فرض کی حیثیت سے موجود نہیں ہے۔ ہم یہ تو جانتے ہیں کہ نماز فرض ہے' ہمیں یہ معلوم ہے کہ روزہ فرض ہے' ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ زکوٰۃ ہر صاحبِ نصاب پر فرض ہے اور ہمیں یہ بھی

© rasailojaraid.com

خوب معلوم ہے کہ حج ہر صاحبِ استطاعت پر فرض ہے' لیکن یہ بات بالکل ذہن سے نکل چکی ہے کہ جہاد بھی فرضِ عین ہے' یہ بھی دین کی طرف سے عائد شدہ کوئی ضروری فریضہ ہے۔ ضرورت ہے کہ اس تصور کو عام کیا جائے۔

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ جہاد کا شمار "ارکانِ اسلام" میں نہیں ہوتا۔ اسلامی ریاست کے شہری ہونے کے لئے اور ایک مسلمان معاشرے میں ایک فرد کی حیثیت سے کسی کے قبول کئے جانے کے لئے جو کم سے کم لوازم ہیں' ان میں واقعتاً جہاد کا نام نہیں ہے۔ بخاری و مسلم سے مروی حدیثِ نبوی ﷺ کے الفاظ واضح ہیں: ((بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ: شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ' وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ' وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ' وَحَجِّ الْبَيْتِ' وَصَوْمِ رَمَضَانَ)) ارکانِ اسلام میں یہی پانچ چیزیں ہیں' لیکن وہ ایمانِ حقیقی' جس کی بنیاد پر آخرت میں معاملے طے ہوں گے' جس کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کسی کو آخرت میں مؤمن قرار دے گا' اس ایمانِ حقیقی کے ارکان دو ہیں: ایک یقین' جو قلب میں جاگزیں ہو گیا ہو اور دوسرے اس کا جو اوّلین اور نمایاں ترین مظہر انسان کے عمل میں ہو وہ جہاد ہے' وہ کشاکش اور تصادم ہے' اس راہ میں جان اور مال کا کھپانا ہے۔ اس کا نقطۂ آغاز ہے خود اپنے نفس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کا پابند بنانے کے لئے اس کے ساتھ مجاہدہ۔ اور اس کے لئے پھر ابتدائی مرحلہ یہ ہے کہ دعوت و تبلیغ' نشر و اشاعت اور تمام ممکنہ ذرائع ابلاغ کو کام میں لا کر حق کی دعوت کو پھیلایا جائے۔ اور اس کی آخری منزل یہ ہے کہ جس طریقے سے اس شخص نے اپنے وجود پر اللہ کے دین کو قائم اور اللہ کی مرضی کو نافذ کیا ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کو اس پر بالفعل قائم کر دیا ہے' اسی طرح پورے کرۂ ارضی پر اللہ کے دین کو عملاً نافذ اور غالب کرنے کے لئے جان اور مال لگائے۔ اس کے لئے تن من دھن سے کوشش کرے اور اگر ضرورت داعی ہو تو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدانِ جنگ میں حاضر ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ توفیق دے تو مرتبہ شہادت حاصل کرے ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن
نہ مالِ غنیمت' نہ کشور کشائی!

یہ ہے اسلام میں جہاد کا وہ تصور جو اب ہمارے آئندہ دروس میں مزید وضاحت کے ساتھ سامنے آئے گا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ٥٥

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com